اِنسانی حقوق شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں

لطیف اللہ

جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے انسان کے حقوق کا تصوّر ہمارے لئے کوئی نیا تصوّر نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی نگاہ میں ان حقوق کی تاریخ اقوام متحدہ کی تنظیم کے چارٹر سے شروع ہوتی ہو یا انگلستان کے میگنا کارٹا (Magna Carta) سے اس کا آغاز ہوا ہو لیکن ہمارے لئے اس تصوّر کا آغاز بہت پہلے سے ہے۔

اقوام متحدہ کا عالمی منشور حقوق انسانی جو ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو پاس کیا گیا تھا۔ اس کے دیباچے میں من جملہ دوسرے عزائم کے ایک یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ :۔

" بنیادی اِنسانی حقوق میں، فردِ انسانی کی عزت و اہمیت میں مَردوں اور عورتوں کے مساویانہ حقوق میں اعتقاد کو موثق بنانے کے لئے "

نیز اس میں اقوام متحدہ کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ :۔

" اِنسانی حقوق کا احترام قائم کرنے اور نسل و صنف یا زبان و مذہب کا امتیاز کئے بغیر تمام اِنسانوں کو بنیادی آزادیاں دلوانے کے کام میں بین الاقوامی تعاون کا حصول "

اسی طرح دفعہ ۵۵ میں اقوام متحدہ کا یہ منشور کہتا ہے :۔

" مجلس اقوام متحدہ اِنسانی حقوق اور سب کے لئے اساسی آزادیوں کے عالمگیر احترام اور انکی نگہداشت میں اضافہ کرے گی۔"

اس پورے منشور کے کسی جزو سے کوئی اختلاف کسی بھی قوم کے نمائندوں نے نہیں کیا اختلاف نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ صرف عام اصولوں کا اعلان و اظہار تھا کسی نوعیت کی پابندی کسی پر بھی عائد نہ ہوتی تھی یہ کوئی معاہدہ نہیں ہے جس کی بناء پر دستخط کرنے والی تمام حکومتیں اس کی پابندی پر مجبور

ہوں اور بین الاقوامی قانون کے مطابق ان پر قانونی وجوب عائد ہوتا ہو۔ اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ ایک معیار ہے جس تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغربی دُنیا جو جمہوری نظامِ حکومت کے بلند بانگ دعوے کرتی ہے اور اقوام متحدہ کے منشور میں اِنسانی حقوق کی ایک طویل فہرست منظور کی ہے تو ان کے پیچھے کوئی سند ({Authority}) اور قوت نافذہ ([Sanction]) نہیں ہے بلکہ یہ صرف خوشنما خواہشات ہیں جو صرف زینتِ دستاویز بنی ہوئی ہیں۔ نسل انسانی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔

اسی طرح پاکستان کے دساتیر میں بھی اِنسانی حقوق کو بڑے التزام سے شامل کیا گیا ہے لیکن پاکستان میں اِنسانی حقوق سے عوام کو مستفید ہونے کا موقع کم نصیب ہوا ہے کیونکہ کافی دفعہ دساتیر کو منسوخ کیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں اسلام نے حقوق اِنسانی کا جو منشور قرآن مجید میں دیا ہے جس کی مزید وضاحت حدیث نبوی میں موجود ہے اور جس کا خلاصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نشر فرمایا وہ اس سے قدیم تر بھی ہے اور ملّت اِسلامیہ کے لیئے اعتقاد، اخلاق اور مذہب کی حیثیت سے واجب الاتباع بھی۔ اسلام میں چونکہ مسلم شہری بھی ہوتے ہیں اور غیر مسلم شہری بھی سکونت پذیر ہوتے ہیں اس لیئے ان دونوں قسم کے شہریوں کے انسانی حقوق علیحدہ علیحدہ بیان کئے جائیں گے۔

اسلام اور حقوق اِنسانی کا تحفّظ

اسلام میں انسانی حقوق کا تحفّظ بہت زیادہ اہمیّت رکھتا ہے حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی نقطۂ نظر سے عدل اجتماعی کے ساتھ ہی وہ بنیادی بات ہے جس کے لیئے یہ معاشرتی تنظیم وجود میں آئی ہے جہاں بھی چند اِنسانوں کی جمعیت ہو گی وہاں زیادتی، ظلم اور جبر کا امکان ہے اور طاقتور لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمزوروں پر دست درازی کر سکتے ہیں ریاست کا یہ بنیادی فرض ہے کہ کسی بھی رعایت کے بغیر ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کرے۔

لاسکی کے بقول:

"Rights, in fact, are those
conditons of social life
without which no man can seek,
in general to be at his best"

بنیادی انسانی حقوق کا تعلق فرد کی ذات سے ہے اور جس معاشرے میں فرد کو یہ حقوق میّسر نہیں وہاں اجتماعیت کی صحت مندی کا تصوّر ممکن نہیں۔ لاسکی کی زبان میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے

"We will build rights upon individual personality because, ultimately, the welfare of the community is built upon the happiness of individual"

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اس کی تعلیمات اِنسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ اس لئے اس نے حقوقِ اِنسانی کے متعلق بھی واضح تعلیمات دی ہیں حقوق انسانی تو بہت بڑی بات ہے وہ تو نباتات کو بے مقصد کاٹنے اور حیوانات کو بے سبب تکلیف پہنچانے کے حق میں بھی نہیں انسانی حقوق کے متعلق تو اس قدر تفصیلی ہدایات ہیں کہ غالباً کسی مذہب اور کسی معاشرتی و سیاسی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام فرد سے لے کر اجتماعیت کے عروج تک کو سمیٹ لیتا ہے۔ وہ حقوق کی تعلیم دیتا اور ان کی ترتیب کو ملحوظ رکھتا ہے اسلامی نقطہ نظر سے ہم حقوق کو اخلاقی، قانونی، سیاسی اور معاشرتی و معاشی کہہ سکتے ہیں فرد کے اپنے احساس سے لے کر ان حقوق تک جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے سب اسلام کی تعلیم میں موجود ہیں اور وسیع پیمانہ پر انسانی ہمدردی و خیر خواہی اور امداد و تعاون کی وہ تفصیلات بھی موجود ہیں جنہیں آج بنیادی انسانی حقوق کے نام سے یاد اور دورِ حاضر کی بڑی کامیابی و فلاح تصور کیا جاتا ہے اور یہ سب اسلام سے ہمیں مِلتے ہیں اور اسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ وہ بنیادی حقوق جن کے متعلق قرآن و سُنّت کے ارشادات مِلتے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

جان و مال اور آبرو کی حفاظت

اِسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔ اسلامی ریاست اللہ اور اس کے رسولؐ کی نیابت میں ہر اس فرد کے جان و مال کی محافظ ہے جس نے شہریت قبول کی ہے

Laski: Grammar of Politics, P.91

Abid, P.95

قرآن مجید میں آتا ہے :۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ [۱]

کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو

لَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [۲]

اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ۔

حضورؐ کا ارشاد ہے :۔

من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالك المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسول الله فلا تخفروا الله فی ذمته [۳]

جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی۔ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں دغابازی نہ کرو۔

جس معاشرے کے افراد کو جان و مال کا خطرہ ہر وقت لاحق ہو وہاں نہ پائیدار اجتماعیت کبھی جنم لیتی ہے نہ ریاست اور شہریوں کے درمیان جو معاہدی طاقت ہے وہ کبھی برقرار نہیں رہی اور ایسا معاشرہ خطرناک قسم کے انتشار اور ابتری کا شکار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے پیش نظر حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا۔

فان دماء کم واموالکم واعراضکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا۔ [۴]

بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن ہے حتیٰ کہ تم اللہ سے جا ملو۔

---

[۱] بنی اسرائیل - ۳۳

[۲] البقرہ ۲ = ۱۸۸

[۳] البخاری، الجامع الصحیح، باب فضل استقبال القبلۃ، ج ۱/۶ صفحہ ۱۷۳

[۴] ابن ھشام: السیرۃ النبویۃ، ج ۴ صفحہ ۲۵۰

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه [1]

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال اور اس کی آبرو بھی۔

شخصی آزادی

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اس کی ذمہ داری ہے کہ کوئی بھی کسی کی آزادی کو مجروح نہ کرے حتیٰ کہ ریاست بھی اس کی آزادی کو سلب نہ کرے اِلا یہ کہ اس کی آزادی اگر اجتماعی مفاد اور دینی اقدار کے لئے مضر ثابت ہو رہی ہو اور ایسی حالت میں بھی معروف طریقے پر جُرم ثابت کئے اور صفائی کے مواقع دیے بغیر اس کی آزادی سلب نہیں کی جا سکتی۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ محض شہادت اور اوہام کی بنیاد پر کسی آدمی کو دھر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس آزادی کا حق انسان کو بخشا ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اس کا تحفظ کرے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:۔

ان الامير اذا ابتغى الريبة فى الناس أفسدهم۔ [2]

امیر جب لوگوں کے اندر شبہات کی تلاش کرے تو ان کو بگاڑ دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا ایک واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لئے کافی ہے۔

عن بهز بن حكيم عن أبيه انه (أى جده) قام إلى النّبى صلى الله عليه وسلّم وهو يخطب فقال: جيرانى بما اخذوا؟ فأُعرض عنه مرتين ثمّ ذكر ما شاء فقال النّبى صلى الله عليه وسلّم: خلواله عن جيرانه [3]

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے دادا) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے درآنحالیکہ آپ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو مرتبہ اس سے صرف نظر کیا تو اس شخص نے پھر کچھ کہا اس پر آپؐ نے فرمایا: اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔

اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدالتی ثبوت کے بغیر کسی کی شخصی آزادی میں مداخلت

---

[1] مسلم شریف: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم ج ۸ صفحہ ۱۱

[2] ابو داؤد: کتاب الادب، باب فی النھی عن التجسس ج ۴ صفحہ ۲۷۵

[3] ابو داؤد: کتاب الاقضیہ، ج ۳ صفحہ ۳۲۷

کرے۔ امام ابویوسفؒ کے اس قول سے اسلامی روح کا پتہ چلتا ہے۔

ولا یحل ولا یسع ان یحبس رجل بتھمة رجل له۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یاخذ الناس بالقذف ولکن ینبغی أن یجمع بین المدعی والمدعی علیه فان کان له بینة علی ما ادعی حکم بها، والا أخذ من المدعی علیه کفیل وخلی عنه فان أوضح المدعی علیه بعد ذلک شیئًا والا لم یتعرض له [1]

نہ یہ بات جائز ہے اور نہ اس کے جائز ہونے کی کوئی گنجائش کہ کسی شخص کو محض اس بنا پر حوالات میں ڈالا جائے کہ کسی نے اس پر الزام لگایا ہے رسول اللہ مجرد الزام کی بناء پر کسی شخص کو گرفتار نہیں کرتے تھے لیکن مناسب یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا جائے اگر مدعی کے پاس ثبوت موجود ہو تو اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے ورنہ مدعی علیہ سے ضمانت لے کر اس کو رہا کر دیا جائے اس کے بعد اگر مدعی کچھ ثبوت فراہم کرے تو خیر ورنہ مدعی علیہ سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عمرو بن عاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یا عمرو! متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم أحرارا۔ [2]

اے عمرو! تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا۔

مذہب کی آزادی اسلام ہی وہ دین ہے جس نے حریت اعتقاد کو تسلیم کیا ہے اور ہر فرد کو یہ آزادی بخشی ہے کہ وہ اپنی عقل و فکر سے جو عقیدہ چاہے اختیار کر لے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ [3]

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰۷

[2] عمر الفاروق، ج ۲ صفحہ ۲۱۹

[3] البقرہ ۲ : ۲۵۶

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ۔ ؎۳

جو کفر کرتا ہے تو اُس کا وبال کفر اسی پر ہے اور جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جان کے لئے سامان کرتے ہیں۔

مُساوات اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگ ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست قانونی مساواۃ کی علمبردار ہے۔ کتب حدیث میں مذکور ہے کہ قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کی۔ معاملہ حضورؐ تک پہنچا تو آپؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا

قبیلہ کے باعزت لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کی سفارش کرائی آنحضورؐ نے اسے ناپسند فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ قانونی مساوات میں تاریخی عظمت کے حامل ہیں۔

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسى بيده لو فاطمة (بنت محمدؐ) فعلت ذلك لقطعت يدها ۔ ؎۱

"تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں وہ اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

اسلامی نظام میں غریب اور امیر کے لئے دو مختلف عدالتی نظام نہیں پائے جاتے یہاں اللہ اور رسول نے جو قانون دیا ہے وہ سب پر یکساں جاری و نافذ ہوتا ہے خواہ وہ امیرالمومنین ہو یا بوجھ اٹھانے والا مزدور قانونی مساوات کے علاوہ اسلامی ریاست اپنے شہریوں میں معاشرتی مساوات کی قائل ہے وہ ان تفریقات کو تسلیم نہیں کرتی جو رنگ و نسل اور خون و پیشہ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہیں اس کی نظر میں وہ تمام شہری یکساں حیثیت کے مالک ہیں جو شہریت کی شرائط پوری کرتے ہے

؎۳ الروم ۳۰ = ۴۴

؎۱ البخاری، کتاب ا ، ج ۸ صفحہ ۲۸۶

ہیں اسلامی ریاست چونکہ ظاہری اعمال سے متعلق مکلف ہے اس لئے اگر امتیاز کرتی بھی ہے تو اس خدائی معیار کے مطابق جسے نیکی و بدی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔[1]

اور ہم نے تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کر دیا ہے کہ تم میں آپس میں شناخت ہو اللہ کے نزدیک تم سب میں سے عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے اسلامی ریاست جہاں معاشرتی مساوات کو قائم رکھتی ہے اور اپنے انتظامی اختیارات سے مصنوعی امیتزات کو ختم کرتی ہے وہاں معاشی مساوات کا بھی لحاظ رکھتی ہے لیکن معاشی مساوات میں اس کا نقطہ نظر عام ریاستوں سے مختلف ہے اسلامی مساوات سے مراد یہ ہے کہ معاشی میدان میں کام کرنے کے مساوی مواقع مہیا کئے جائیں اور تقسیم زر میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جن کا کوئی کفیل نہیں یہ ایک اجتماعی حق ہے حضور کا ارشاد ہے:۔

انا وارث من لا وارث له۔ اعقل له وارثه [2]

میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں اس کی جانب سے دیت دوں گا اور اس کا وارث ہوں گا۔

نجی زندگی کا تحفظ

اسلام کے بنیادی حقوق کی رو سے ہر آدمی کو (PRIVACY) یعنی نجی زندگی کو محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا ۔[3]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔

---

[1] الحجرات : ۴۹ / ۱۳

[2] ابوداؤد کتاب الفرائض صفحہ ۱۴۹

[3] نور ۲۴ : ۲۷

رائے اور مسلک کی آزادی رائے اور مسلک کی آزادی دورِ حاضر میں بڑی اہمیت حاصل کر گئی ہے لادینی ریاستوں میں چونکہ مذہبی عقیدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے فرد ریاست کی وفاداری کے بعد ہر قسم کا عقیدہ و مسلک رکھ سکتا ہے۔ گو رائے اور مسلک کی آزادی کی یہ بات کاغذی کارروائی سے آگے نہیں بڑھی اور حکومت اپنی مرضی کے مطابق پابندیاں لگاتی ہے۔ آزادیِ رائے میں سیاسی رائے بھی آتی ہے اور دورِ حاضر کی کم ہی ریاستیں ایسی ہیں جن میں سیاسی مخالفین کے ساتھ حسنِ سلوک اور رواداری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی ریاست کا مؤقف منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس مؤقف کو سمجھنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل امور کو مدِّ نظر رکھنا ہوگا۔

(۱) اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے اصولوں کے بارے میں وہ کسی قسم کی منافقت برداشت نہیں کرتی جس بات کو پسند کرے اس کا اعلان کرتی ہے جسے ناپسند کرے اُسے چھپاتی نہیں۔

(۲) اسلامی ریاست کے شہری دو قسم کے ہیں مسلمان اور غیر مسلم، اس لئے اسلامی ریاست کو انتظامی لحاظ سے اس امر کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ حقوق و فرائض میں دونوں کی اصولی حدود کیا ہیں۔

(۳) اسلامی ریاست ایک عادلانہ تنظیم ہے یہ کسی شہری کے حقوق کو غاصبانہ طور پر نہیں چھین سکتی نیز اس کی حیثیت نیابت کی ہے اس لئے وہ اللہ اور رسولؐ کی دی ہوئی مراعات میں کمی بیشی کا اختیار نہیں رکھتی۔

(۴) مسلک اور رائے کو مذہبی اور سیاسی دائروں میں تقسیم کر لینے سے ریاست کی تنظیمی فعلیت کا اندازہ زیادہ بہترین طریق سے ہو سکے گا۔

اسلامی ریاست اپنی تنظیم میں ظاہری امور کو مدِّ نظر رکھے گی مثلاً اس کے سامنے یہ تو ہے کہ وہ نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ قائم کرے لیکن وہ طریق صلوٰۃ پر کسی شہری کو مجبور نہیں کر سکتی۔ اسی طرح فقہی اور کلامی مسائل میں کسی شخص کا منتظمین ریاست سے مختلف ہونا وجہِ تکلیف نہیں ہے ہر شہری کو اجازت ہے کہ وہ اپنی اجتہادی بصیرت یا تقلیدی احساس کے ساتھ کوئی سا بھی فقہی و کلامی مسلک اختیار کرے۔ اسلامی ریاست اس بات کی کھلی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی رائے کو دلیل سے پیش کرے۔ اصل چیز کتاب و سنّت ہے۔ قرآن و سنّت کی حدود میں رہتے ہوئے ایک شہری کو اپنی رائے رکھنے اور ریاست کو مدلّل طور پر منوانے

کا حق ہے۔ ہاں اگر کوئی اختلاف اجتماعی فساد کی صورت اختیار کر رہا ہو تو اسے افہام و تفہیم اور تبلیغ و ارشاد سے رفع کرنے کی کوشش مستحسن ہو گی۔ اسی طرح مسلمانوں کو سیاسی میدان میں اختلاف کا حق ملتا ہے۔ وہ آزادی سے اپنی رائے کا اظہار اور اپنی صحیح بات منوانے کے لئے استدلال اور اعتدال پسندانہ رویّہ اختیار کر سکتے ہیں۔ خلافت راشدہ میں ہمیں اختلاف کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی نہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر۔ زندگی بھر ان کا ان سے اختلاف رہا لیکن اسلامی ریاست نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ابن قتیبہ نے ان کے متعلق یہ تصریح کی ہے۔

فکان سعد لا یصلی صلاتھم، ولا یجمع بجمعتھم ولا یفیض بافاضتھم ولو یجد اعوانا لصال بھم ویبایعہ احد علی قتالھم لقاتلھم فلم یزل کذلک حتی توفی ابوبکر وولی عمر ابن الخطاب فخرج الی الشام فمات بھا ولم یبایع لاحد ھما [1]

"سعد ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے نہ ان کی امامت میں جمعہ ادا کرتے بلکہ اگر ان کو کچھ مددگار مل جاتے تو وہ ارباب اقتدار پر حملہ بول دیتے اور اگر کوئی ان سے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بیعت کر لیتا تو وہ ان لوگوں سے بھی جنگ چھیڑ دیتے۔ وہ اپنے اس رویئے پر قائم رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد وہ شام چلے گئے وہیں وفات پائی لیکن بیعت دونوں صاحبوں میں سے کسی کے ہاتھ پر نہیں کی" (اللہ ان پر رحم کرے)

حضرت عثمانؓ پر جس طرح تنقید ہوئی اور جس طرح ان سے سیاسی اختلاف کیا گیا وہ کوئی مخفی امر نہیں ہے انہوں نے شہید ہونا گوارا کیا لیکن طاقت کے استعمال سے سیاسی اختلافات کو کچلا نہیں۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں خوارج نے "ان الحکم الا للہ" کے نعرے سے ابتداء کی اور علیؓ و معاویہؓ کے کفر پر انتہا کی۔ جلیل القدر صحابہ کو کافر کہنے کے ساتھ ریاست کے ساتھ مستقل بغاوت کو اپنا مشن بنایا۔ حضرت علیؓ نے انہیں راہ راست پر لانے کی کافی کوششیں کیں۔ لیکن جب کوئی بات بنتی نظر نہ آئی تو خوارج کو یہ پیغام بھجوایا۔

---

[1] ابن قتیبہ: الامامة والسیاسیة، صفحہ ۱۱

فارسل الیھم کونوا حیث شئتم و بیننا و بینکم أن لا تسفکوا دمًا ولا تقطعوا سبیلًا ولا تظلموا أحدًا فان فعلتم نبذت الیکم الحرب [1]

تم کو آزادی حاصل ہے جہاں چاہو رہو البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرارداد ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہیں بہاؤ گے، بدامنی نہیں پیدا کرو گے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا۔

عدل و انصاف کے حصول کا حق

اسلام ہر شخص کو یہ بنیادی حق عطا کرتا ہے کہ اُس کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔ قرآن کریم کا یہ اٹل اصول ہے عدل و انصاف کے حصول میں کسی قوم یا گروہ کی دشمنی اور عداوت آڑے نہ آئے اور ہر فرد کو بلا امتیاز اس کا حصول آسان اور یقینی ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ [2]

کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔

آزادیِ اجتماع کا حق

آزادی اظہار کے عین منطقی نتیجے کے طور پر آزادی اجتماع کا حق نمودار ہوتا ہے جب اختلاف آراء کو انسانی زندگی کی ایک اٹل حقیقت کے طور پر قرآن نے بار بار پیش کیا ہے تو پھر اس امر کی روک تھام کہاں ممکن ہے کہ ایک طرح کی رائے رکھنے والے لوگ آپس میں مربوط ہوں ایک اصول اور نظریئے پر مجتمع ہونے والی ملت کے اندر بھی مختلف مدارس فکر ہو سکتے ہیں اور ان کے متوسلین بہر حال باہم مگر قریب تر ہوں گے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے۔

---

[1] نیل الاوطار، ج ۷، صفحہ ۱۳۹

[2] المائدہ۔ ۸

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔[۲]

اور تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے

عملی زندگی میں جب "خیر" "معروف" اور "منکر" کے تفصیلی تصوّرات میں فرق واقع ہوتا ہے تو ملت کی اُصولی وحدت کے قائم رہتے ہوئے بھی اس کے اندر مختلف مدارسِ فکر تشکیل پاتے ہیں اور ــــ یہ بات میارِ مطلوب سے کتنی بھی فروتر ہو، گروہوں اور پارٹیوں کا ظہور ہوتا ہی ہے چنانچہ ہمارے ہاں کلام میں بھی، فقہ و قانون میں بھی اور سیاسی نظریات میں بھی اختلاف آراء ہوا اور اس کے ساتھ مختلف گروہ وجود میں آئے۔ اسلامی دستور اور منشورِ حقوق کے لحاظ سے مختلف اختلافی آراء رکھنے والوں کے لیئے آزادیِ اجتماع کا حق ہے کیونکہ حضرت علیؓ کے سامنے یہ مسئلہ خوارج کے ظہور پر پیش آیا اور آپؓ نے ان کے لئے آزادیِ اجتماع کے حق کو تسلیم کرلیا۔

عملِ غیر کی ذمہ داری سے برّیت

اسلام میں آدمی صرف اپنے اعمال اور اپنے جرائم کیلئے جواب دہ ہے دوسروں کے اعمال اور دوسروں کے جرائم میں اسے پکڑا نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید نے اصول یہ قرار دیا ہے کہ :۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[۷]

"اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے پر مکلف نہیں ہے۔"

شُبہات پر کارروائی نہیں کی جائے گی

اسلام میں ہر شخص کو یہ تحفظ حاصل ہے کہ تحقیق کے بغیر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ اس سلسلے میں قرآن کی واضح ہدایت ہے کہ کسی کے خلاف اطلاع ملنے پر تحقیقات کر لو تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کے خلاف لاعلمی میں کوئی کارروائی کر بیٹھو۔

---

۲ آل عمران : ۱۰۴

۷ الانعام : ۱۶۴

إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔ [۱]

"اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو۔ پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

علاوہ بریں قرآن نے یہ ہدایت بھی دی ہے۔

اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ [۲]

بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق اسلام اس امر کا روادار نہیں کہ مختلف مذہبی گروہ ایک دوسرے کے خلاف دریدہ دہنی سے کام لیں اور ایک دوسرے کے پیشواؤں پر کیچڑ اچھالا کریں۔ قرآن میں ہر شخص کے مذہبی معتقدات اور اس کے پیشوایانِ مذہب کا احترام کرنا سکھایا گیا ہے۔ ہدایت یہ ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ۔ [۳]

ان کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے ماسوا معبود بنا کر پکارتے ہیں۔

مختلف مذاہب اور معتقدات پر دلیل سے گفتگو کرنا اور معقول طریق سے تنقید کرنا یا اظہار اختلاف کرنا تو آزادیِ اظہار کے حق میں شامل ہے مگر دلِ آزاری کے لئے بدگوئی کرنا جائز نہیں۔

ظلم کے خلاف احتجاج کا حق اسلام کے بنیادی حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ [۴]

---

[۱] الحجرات - ۶

[۲] الحجرات - ۱۲

[۳] الانعام - ۱۰۸

[۴] النساء - ۱۴۸

"اللہ اُس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پہ زبان کھولے الاّ یہ کہ کسی پرظلم کیا گیا ہو"

اسلام مظلوم کو یہ حق دیتا ہے کہ جب اُس پر ظلم و زیادتی کی جارہی ہو تو وہ ظالم کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور ظالم شخص سے غصب شدہ اُمور کی بازیابی کی جاسکتی ہے۔

سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق

انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک بڑا حق اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد حکومت میں حصّہ دار ہیں۔ حکومت ایک فرد کی یا ایک خاندان کی یا ایک طبقے کی نہیں بلکہ پوری ملّت کی ہوگی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص [۲]

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیا ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اسلام نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ حکومت کے تمام معاملات باہمی مشورہ سے سرانجام پائیں گے اور ہر شخص کو اپنی رائے دینے کی پوری آزادی حاصل ہوگی یعنی حکومت سازی اور معاملات حکومت کو نبٹانے میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔

معصیت سے اجتناب کا حق

اسلام نے ایک اور اُصول یہ دیا ہے کہ کسی شخص کو معصیت کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور نہ کسی پر یہ واجب یا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کو اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو وہ اطاعت کرے۔ قانونِ قرآن کی رُو سے اگر کوئی اعلیٰ اہل کار اپنے ماتحت کو ناجائز کارروائیوں کا حکم دیتا ہے یا کسی پر بےجا دست درازی کا حکم دیتا ہے تو ماتحت کے لئے اس معاملے میں اپنے افسر کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے۔

السمع والطاعة على المرء المسلم في ما احب وكره مالم يومر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ [۳]

---

[۲] النور - ۵۵

[۳] بخاری شریف، کتاب الاحکام الجزءُ التاسع صفحہ ۷۸

ایک مسلمان پر سمع وطاعت لازم ہے خواہ برضا ورغبت کرے یا بکراہت تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے پھر جب اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔

ایک دوسری حدیث ہے۔

لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف ؎

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت تو صرف معروف میں ہے۔

نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون

قرآن مجید ایک اور اُصول معین کرتا ہے کہ نیکی اور حق رسانی کے معاملے میں ہر ایک کے ساتھ تعاون کیا جائے اور برائی اور ظلم کے معاملے میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے قرآن کا یہ مستقل اور دائمی اُصول ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ ؎

جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

بنیادی ضروریات کا حق

اسلام اپنے شہریوں کو یہ حق بھی دیتا ہے کہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہیں لہٰذا مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ ؎

ان کے مالوں میں حق تھا مدد مانگنے والوں کے لئے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کے لئے۔

زکوٰۃ کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ:

"ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔"

غیر مسلموں کے حقوق

اسلامی قانون اپنی غیر مسلم رعایا کو تین اقسام میں بانٹتا ہے۔ ایک وہ جو کسی صلح نامے یا معاہدے کے ذریعے سے اسلامی حکومت کے

؎ مسلم شریف، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۹

؎ المائدہ : ۲

؎ الذّٰریٰت : ۱۹

تحت آئے ہوں۔

دوسرے وہ جو لڑنے کے بعد شکست کھا کر مغلوب ہوئے ہوں۔

تیسرے وہ جو جنگ اور صلح دونوں کے سوا کسی اور صورت سے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے ہوں۔

اسلام میں غیر مسلموں (اقلیتوں) کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

حفاظت جان اسلام غیر مسلم شہری کو بھی جان کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اگر اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اُس کا قصاص اُسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمانوں کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کیا تو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ:

انا احق من وفی بذمتہ [1]

اپنے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔

قوانین کا اطلاق ذمیوں پر فوجداری قوانین کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے جس طرح مسلمانوں پر ہوتا ہے اور جرائم کی سزائیں یکساں ہوتی ہیں البتہ شراب کے معاملہ میں ذمیوں کے لئے استثناء ہے۔ اسی طرح دیوانی قوانین بھی مسلموں اور غیر مسلموں کے لئے یکساں ہیں اور دونوں کے درمیان کامل مساوات ہے۔ تجارت کے جو طریقے ہمارے لئے ممنوع ہیں وہی اُن کے لئے بھی۔ سُود جس طرح ہمارے لئے حرام ہے اسی طرح اُن کے لئے بھی البتہ ذمیوں کے لئے صرف شراب اور سوٗر کا استثناء ہے وہ شراب بنانے، پینے اور بیچنے کا حق رکھتے ہیں اور انہیں سوٗر پالنے، کھلانے اور فروخت کرنے کے بھی حقوق حاصل ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی شراب یا اس کے سوٗر کو تلف کر دے تو اس پر تاوان لازم آئے گا۔ درالمختار میں ہے:

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفہ [2]

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ ج ۸ صفحہ ۲۵۶، دار قطنی نے یہی حدیث ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں "انا اکرم من وفٰی بذمتہ" آیا ہے۔

[2] درالمختار ج ۳ صفحہ ۲۷۳

تحفظ عزت ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمانوں کے حق میں یہ افعال ناجائز ہیں۔ درالمختار میں ہے :-

ویجب کف الاذی عنه وتحرم غیبته کالمسلم [1]

اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے۔

ذمہ کی پائداری عقد ذمہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے یعنی وہ اسے باندھنے کے بعد پھر اسے توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔

واما صفة العقد فهو لازم فی حقنا لا یملك المسلمون نقضه بحال من الاحوال واما فی حقهم فغیر لازم [2]

عقد ذمہ ہمارے حق میں تو لازم ہے یعنی ایک مرتبہ ذمی بنا لینے کے بعد ہم اس ذمہ کو کسی حال میں توڑ نہیں سکتے لیکن ان کے لئے یہ لازم نہیں ہے (یعنی اگر وہ ہمارے ذمہ سے خارج ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں)

شخصی معاملات کا تحفظ ذمیوں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملت کے قانون کے مطابق طے کئے جائیں گے اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا ہمارے لئے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے وہ اگر اُن کے مذہبی و قومی قانون میں جائز ہو تو اسلامی عدالت اُن کے قانون ہی کے مطابق فیصلہ کرے گی مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح، یا بلا مہر کے نکاح، یا زمانہ عدت کے اندر نکاح ثانی، یا محرمات کے ساتھ نکاح اگر وہ جائز رکھتے ہوں تو ان کے لئے یہ سب افعال جائز رکھے جائیں گے۔ خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے تمام ادوار میں اسلامی حکومتوں کا اسی پر عمل رہا ہے۔

---

[1] درالمختار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ - ۲۷۳

[2] درالمختار جلد ۷ صفحہ ۱۱۲

مذہبی مراسم کی آزادی مذہبی مراسم اور قومی شعائر کو پبلک میں اعلان واظہار کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اہل الذمہ خود اپنی بستیوں میں تو ان کو پوری آزادی کے ساتھ کر سکیں گے البتہ خالص اسلامی آبادیوں میں حکومت اسلامی کو اختیار ہوگا کہ انہیں اس کی آزادی دے یا ان پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کر دے۔

لا یمنعون من اظہار شیء مما ذکرنا من بیع الخمر و الخنزیر والصلیب وضرب الناقوس فی قریۃ او موضع لیس من امصار المسلمین ولو کان فیہ عدد کثیر من اہل الاسلام و انما یکرہ ذلک فی امصار المسلمین وھی التی یقام فیھا الجمع والاعیاد والحدود ......

واما اظہار فسق یعتقدون حرمۃ کالزنا وسائر الفواحش التی حرام فی دینھم فانھم یمنعون من ذالک سواء کانوا فی امصار المسلمین او فی امصارھم [1]

جو بستیاں امصار المسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو البتہ یہ افعال امصار المسلمین میں ناپسندیدہ ہیں یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ وعیدین اور اقامت حدود کے لئے مخصوص کیا گیا ہو...... رہا وہ فسق جس کی حرمت کے خود وہ بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو اُن کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اعلانیہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ وہ امصار مسلمین میں ہوں یا خود اپنے امصار میں۔

عبادت گاہیں امصار مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے۔ رہے وہ مقامات جو امصار مسلمین نہیں ہیں تو ان میں ذمیوں کو نئے معابد بنانے کی بھی عام اجازت ہے۔ اسی طرح جو مقامات اب "مصر" نہ رہے ہوں یعنی امام نے ان کو ترک

---

[1] بدائع الصنائع جلد ۷، صفحہ ۱۱۳

کرکے وہاں اقامت جمعہ واعیاد اور اقامت حدود کا سلسلہ بند کر دیا ہو ان میں بھی ذمیوں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے:۔

اما مصر مصرته العرب فليس لهم ان يحدثوا فيه بناء بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا فيه بناقوس ولا يظهروا فيه خمراً ولا يتخذوا فيه خنزيراً وكل مصر كانت العجم مصرته ففتحه الله على العرب فنزلوا على حكمهم فللعجم ما فى عهدهم وعلى العرب ان يوفوا لهم بذلك[1]

جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئے معابد اور کنائس تعمیر کریں یا ناقوس بجائیں یا علانیہ شراب اور سؤر کا گوشت بیچیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کئے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم کی اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لئے وہی حقوق ہیں جو اُن کے معاہدہ میں طے ہو جائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔

جزیہ وخراج میں رعایت

اسلامی شریعت میں غیر مسلموں سے جزیہ یا خراج وصول کرنے کے سلسلہ میں زیادتی یا تشدّد کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ان لوگوں سے اسی قدر جزیہ یا خراج لینے کا حکم دیتی ہے جتنا یہ آسانی سے ادا کرنے کی سکت رکھتے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:۔

ومنع المسلمين من ظلمهم والاضرار بهم واكل اموالهم الا بحلها۔[2]

مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں ستانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرو

فوجی خدمت سے استثنیٰ

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے اور اس کے عوض ان سے جزیہ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۸
[2] کتاب الخراج صفحہ ۸۲

وصول کیا جاتا ہے اگر غیر مسلم رضا کارانہ طور پہ ملک کے دفاع میں حصّہ لینا چاہیں تو انہیں حق ہوگا۔

ان حقائق و دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقوام متحدہ کا عالمی منشور حقوق انسانی انسانیت کے حقوق کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے کیونکہ خود مہذب ترین اور سرکردہ ممالک میں اس منشور کے عین سائے میں انسانیت کے ابتدائی حقوق کا قتل عام ہو رہا ہے اس سے یہ بات بھی واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان کو فی الواقع دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق کی کوئی تمیز نہیں ہے صرف اللہ ہی ہے جس نے انسان کی رہنمائی اس سلسلے میں کی ہے اور اپنے پیغمبر کی وساطت سے انسانی حقوق متعین کرنے والا انسان کا خالق ہی ہو سکتا ہے چنانچہ اس خالق نے انسان کے حقوق نہایت تفصیل سے بتلائے ہیں۔

اسلام نے جو حقوق انسانوں کو عطا کئے ہیں ان کا یہاں پہ اجمالاً ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کا تصور بالکل واضح اور مکمل ہے کیونکہ مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایت کے پابند ہیں۔ خدا اور رسولؐ نے بنیادی حقوق کی پوری وضاحت کر دی ہے جو مملکت اسلامی ریاست بننا چاہے گی اسے یہ حقوق مسلمانوں کو بھی عطا کرنے ہوں گے، اور دوسری اقوام کو بھی۔ اس معاملہ میں کسی ایسے معاہدے کی حاجت نہیں ہو گی کہ فلاں قوم اگر ہمیں یہ حق دے گی تو ہم اُسے دیں گے بلکہ مسلمانوں کو بہر حال یہ حقوق دینے ہوں گے۔

شریعت کا مفہوم

ڈاکٹر منیر احمد مغل

شریعت کے لغوی معنیٰ

لفظ شریعت کا مادہ ہے ش۔ ر۔ ع۔ اور باب ہے فَتَحَ یَفْتَحُ۔ شَرَعَ یَشْرَعُ شَرْعًا لغت میں کئی معنوں میں
(ماضی) (مضارع) (مصدر)
مستعمل ہے۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) نے لفظ "شرع" کی تحقیق یوں بیان کی ہے:

الشرع نهج الطريق الواضح يقال شَرَعْتُ لَهُ طَرِيْقًا۔ والشرع مصدر ثم جعل اسما للطريق النهج ۔ فقيل له شرعٌ وشرعٌ وشريعةٌ واستعير ذٰلِكَ للطريقةِ الالهيّةِ قال شرعةً ومنهاجًا (۵ : ۴۸) فذلك إشارة الى امرين احدهما ما سخرا الله تعالىٰ عليه كل انسان من طريق يتحرّاه مما يعود الى مصالح العباد وعمارة البلاد و ذٰلك المشار اليه بقوله ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضًا سُخْرِيًّا (۴۳ : ۳۲) الثّانى ما قبّض له من الدّين وامره به ليتحرّاه اختيارًا مما تختلف فيه الشرائع ويعترضه النسخ ودل عليه قوله ثم جعلناك على شريعة من الأمر فاتبعها (۴۵ : ۱۸) ۔ قال ابن عباسؓ الشرعة "ما ورد به القرانُ والمنهاج ما ورد به السنّةُ" وقوله: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ فاشارة الى الاصول التى